غلام گردش

نظام، سب کچھ نگل چکا ہے!

جیمز اول، برطانیہ کا شہنشاہ تھا۔ اس کی سلطنت میں کبھی بھی سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ برطانیہ ایک سپر پاور بننے کے راستے پر پوری تیزی سے گامزن تھا۔ اس پر پوری دنیا کی دولت بارش کی طرح برس رہی تھی۔ برطانیہ کی تجارتی کمپنیاں اب کراہ ارض پر اقتصادی راج کرنے میں مصروف تھیں۔ برطانیہ کی عسکری، سیاسی، ثقافتی اور علمی قوت بھی بے مثال تھی۔ یہ سترویں صدی کا دور تھا۔ جیمز اول ایک مطلق العنان حکمران تھا۔ اس کی دانست میں اسے ہر طرح کا حکم جاری کرنے کا اختیار تھا۔ اور ہاں ایک اور بات، بادشاہ کے خاندان میں یہ خیال راسخ تھا کہ انہیں بادشاہت کرنے کا کل وہم اختیار خدا کی طرف سے ودیعت کیا گیا ہے۔ دراصل وہ عام رعایا سے افضل ہیں۔ عام آدمی ان کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ ویسے اگر آج کے پاکستان کو دیکھیں، تو تین چار خاندان آپ کو اسی سوچ کے حامل نظر آئیں گے جو جیمز اول کی تقریباً چار صدیاں پہلے تھی۔ لاہور اور لاڑکانہ کے یہ خاندان دراصل صرف اپنے آپ کو حکمرانی کے قابل سمجھتے ہیں۔ باقی تمام لوگ ان کے غلام ہیں۔ اس بدقسمت سوچ نے ہمارے ملک کو ہر طور پر برباد کر ڈالا ہے۔ بہر حال بات برطانیہ کی ہو رہی تھی۔ جیمز نے اپنے محل سے ''رعایا کی بہتری'' کے لئے چند قوانین جاری کیے۔ ان میں ایک تو یہ تھا کہ جو بھی اشیاء برطانیہ میں درآمد کی جاتی ہیں۔ ان پر مزید ٹیکس عائد کیا جائے۔ دوسرا، لندن میں کسی بھی طور پر کوئی نئی عمارت نہیں بن سکتی۔ تیسرا یہ کہ بادشاہ کا حکم ہے کہ آٹے میں سے میدہ نکال کر الگ فروخت نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تمام قوانین فوری طور پر نافذ العمل قرار دیے گئے۔ بادشاہ کے مطابق ان تمام قوانین کی پارلیمنٹ سے توثیق کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس لئے کہ بادشاہت کا حق تو اسے صرف اور صرف خدا نے دیا ہے۔ عوام کی تو کوئی حیثیت نہیں۔ آج سے چار سو برس پہلے برصغیر ظل الٰہی جیسے خطابات سے بصیرت افروز ہو رہا تھا۔ ہمارے بادشاہ، راجہ، نواب، درجنوں نہیں سینکڑوں کی تعداد میں خواتین کا حرم رکھنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ جہاں انصاف کرنے والے قاضی، حکمران کی مرضی سے فیصلے کرتے تھے۔ جہاں محنت کش، جانور سے بھی نچلی سطح پر سانس لے رہے تھے۔ جہاں تمام زمین اور سرمایہ صرف اور صرف بادشاہ سلامت کا تھا۔ ٹھیک اس وقت یعنی 1610ء میں چیف جسٹس، سر ایڈورڈ کک کو پریوی کونسل میں طلب کیا گیا۔ اس سے پوچھا کہ کیا بادشاہ، اپنی مرضی سے ہر طرز کے قوانین بنا سکتا ہے۔ چیف جسٹس نے کچھ مہلت مانگی۔ اس کے بعد لندن کی عدلیہ نے تاریخی حکم دیا کہ بادشاہ کے پاس قوانین جاری کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ یہ صرف اور صرف پارلیمنٹ کا حق ہے۔ جیمز اول کے جاری شدہ تمام قوانین، دراصل قانون سے انحراف پر مبنی ہیں۔ انہیں کالعدم قرار دے دیا گیا۔ نظام کی طاقت دیکھیے کہ بادشاہ وقت، پارلیمنٹ، عدلیہ اور عام آدمی کے مقابلہ میں مکمل طور پر بے بس تھا۔ کسی رجواڑے کی گزارش نہیں کر رہا۔ بلکہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت کے شہنشاہ کی قانونی بے بسی کا ذکر کر رہا ہوں۔ برطانوی نظام مضبوط فریق کے برخلاف عام آدمی کو وہ اختیار اور طاقت دے گیا، جو آج تک اس ملک میں قائم و دائم ہے۔

اس کے بالکل برعکس، ہمارے ملک میں اگر کسی طاقتور شخص اور نحیف انسان کا باہمی جھگڑا ہو جائے۔ تو سب کو یقین کامل ہوتا ہے کہ غلط یا صحیح، مضبوط فریق ہی ہر مسئلہ میں جیت جائے گا۔ کمزور فریق یا انسان، آخر میں یہی کہتا ہے کہ میں قیامت کے دن اپنا مقدمہ خدا کی عدالت میں پیش کروں گا۔ اور وہاں میرے ساتھ انصاف ہوگا۔ اس سے بڑھ کر ملکی نظام پر تھپڑ ہرگز ہرگز نہیں مارا جا سکتا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ پورے ملک کی مکمل ترتیب صرف اور صرف طاقتور حلقے یا انسان کے حق میں کی گئی ہے۔ ملکی نظام پر غور کیجئے۔ خدا نہ کرے، کہ آپ کو کبھی تھانہ، کچہری، پٹواری یا کسی بھی سرکاری ادارے سے کام پڑ جائے۔ یقین فرمایئے کہ آپ کو احساس ہوگا کہ انصاف تو دور کی بات، آپ کی حیثیت ایک کیچوے سے بھی کم ہے۔ ہمارا پورا ملکی نظام ناانصافی کی بنیاد پر قائم ہے۔ کسی بھی طرح کا انصاف یا سہولت فراہم کرنا اس کی اسطاعت سے ہی باہر ہے۔ غضب یہ بھی ہے کہ 1947ء سے لے کر آج تک، ہمارے عام آدمی نے یہ تمام ناانصافی، اپنا مقدر سمجھ کر قبول کر لی ہے۔ مذہبی رہنما، انتہائی موثر طریقے سے ہمارے عظیم دین کے اصولوں پر ہر طرح کی بحث فرماتے ہیں۔ مگر حرام ہے کہ انہوں نے کبھی بھی اس موجودہ گلے سڑے، بدبودار نظام کو بدلنے کے لئے کوئی عملی کوشش کی ہو۔ یہی حال ہمارے تمام سیاست دانوں کا ہے۔ ہر وزیراعظم اور وزیراعلیٰ، پرانا یا نیا صرف بیانات کی حد تک موثر ہوتا ہے۔ ہاں پیسے کمانے کی دھن تمام میں یکساں ہے۔ نظام کو تبدیل کرنے سے حقیقی طور پر وہ اتنا ڈرتے ہیں کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ یہ نہیں کہ ہمارے پاس قابل، لائق اور مدبر سیاست دان نہیں ہیں۔ بالکل ہیں۔ درد دل رکھنے والے حکمران بھی رہے ہیں۔ مگر سب بیکار ثابت ہوتے ہیں۔

زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو حد درجہ ذہین انسان تھے۔ مالی طور پر آسودہ حال اور حکمرانی کے تمام گر جانتے تھے۔ عوام کی طاقت اور ان کے مسائل کا بھی فہم رکھتے تھے۔ نظام کو بدلنے کی صلاحیت سے بھی مالا مال تھے۔ مگر ستم یہ ہے کہ وہ بھی اس فرسودہ نظام کے تابع ہو گئے۔ ان کی صلاحیتیں ملک کی تقدیر نہیں بدل سکیں۔ غریب، غریب ہی رہا۔ معاشی اور سماجی انصاف بھی خواب تک محدود رہا۔ ہاں تقاریر، تقریبات اور شور حد درجہ برپا ہوا۔ بھٹو جیسا فطین آدمی ملکی معیشت کو برباد کر گیا۔ نتیجہ یہ کہ بھٹو اسی نظام کے عفریب کی لپیٹ میں آ گیا۔ اسے زندہ درگور کر دیا گیا۔ بھٹو نمک کی کان میں نمک بن کر رہ گیا۔ اگر منفی تبدیلی کا ذکر کیا جائے، تو جنرل ضیاء الحق نے اس پورے ملک کی حد درجہ ادنیٰ طریقے سے سوشل انجینئرنگ کر دی۔ ذات، برادری، کرپشن، سیاسی غلاموں کی نئی نسل، شدت پسندی اور منافقت کا وہ کلچر شروع کیا، جو آج تک جاری و ساری ہے۔ دراصل ہم قائداعظم کے پاکستان میں نہیں بلکہ ضیاء الحق کے ترتیب شدہ نئے پاکستان میں سانس لے رہے ہیں۔ سب جانتے ہیں۔ مگر کوئی بھی اس نظام کی طاقت کو کم نہیں کر سکتا۔ کیا آل شریف، کیا چوہدری خاندان، کیا انتہائی امیر مذہبی خانوادے، کیا گیلانی بلکہ آج کے دور کا ہر اہم انسان، دراصل ضیاء الحق ہی کا پروردہ ہے۔ سوائے پیپلز پارٹی کے جس نے ضیاء الحق کو للکارنے کی ہمت کی۔ مگر پھر ضیاء کے بعد، وہ بھی "سٹیٹس کو" کی محافظ بن گئی۔ مسلم لیگ ن اور پیپلز پارٹی جو مرضی اعلانات فرمائیں۔ بنیادی طور پر وہ اس نظام کو استحکام دیتی ہیں

جوعوام کے لئے زہر قاتل ہے۔ذاتی طور پر کسی سیاسی پارٹی سے متاثر نہیں۔ویسے ان کی قیادت میں متاثر کرنے والی کوئی خصوصیت ہے بھی نہیں۔دونوں سیاسی پارٹیوں ں میں وہ مگر مچھ موجود ہیں جو ہر وقت آنسو بہاتے رہتے ہیں۔مگر ان کی نظر صرف دولت پر ہوتی ہے۔کہ کب ملکی خزانے کو ہڑپ کریں۔افسوس کی بات یہ بھی ہے کہ وہ خزانہ شیر مادر کی طرح کھا پی جاتے ہیں۔ان کے عمائدین کی دولت کا اندازہ شائد بل گیٹس بھی نہ لگا سکے۔عذاب یہ ہے کہ سب کچھ برباد کرنے کے باوجود یہ اپنے آپ کو مظلوم نہیں بلکہ معصوم قرار دیتے ہیں۔شائد یہ لوگ ہمارے گناہوں کا نتیجہ ہیں۔

موجودہ صورت حال اتنی ہی نازک ہے' جتنے بیس پچیس برس پہلے تھی۔تحریک انصاف کے قائد حد درجہ عوامی پسندیدگی کے حامل تھے۔انہیں قومی ہیرو بلکہ ایک دیوتا کا درجہ حاصل تھا۔ہزاروں نہیں لاکھوں لوگ' ان کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے گھنٹوں بیٹھے رہتے تھے۔ان کا نعرہ ہی نظام کی تبدیلی تھا۔پڑھے لکھے لوگوں سے لے کر نوجوان بچے اور بچیوں کی اکثریت ان کے ساتھ کھڑی ہوگئی۔عوام نے اپنے حالات بہتر کرنے کے لئے انہیں ''مسند شاہی'' پر بیٹھا دیا۔حقیقت یہ ہے کہ وہ نظام میں ایک انچ تبدیلی بھی نہیں لا سکے۔ہاں۔روایتی بلکہ دقیانوسی سیاست دانوں کی طرح نعرے اور اعلانات بھرپور ہیں۔خان صاحب کے دور میں انصاف فراہم کرنے والے ادارے' انتظامی افسران' پولیس ڈیپارٹمنٹ کے قصاب بلکہ کسی بھی سرکاری محکمہ سے تعلق رکھنے والے جابرین میں رتی بھر بھی مثبت تبدیلی نہیں آئی۔ہاں۔ایک بات میں بہت تبدیلی آئی ہے۔رشوت کے نرخ حد درجہ بڑھ گئے۔خان صاحب' مکمل طور پر فراموش کر چکے ہیں کہ انہوں نے عوام سے کیا وعدے کیے تھے۔موجودہ عدلیہ کے سربراہ کا یہ کہنا کہ ملک میں نظام انصاف تقریباً غیر فعال ہو چکا ہے۔اس کے بعد کچھ بھی کہنے کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔چار صدیاں پہلے جیمز اول کے استبداد کو روکنے کے لئے پارلیمنٹ اور عدلیہ تھی۔ہمارے پاس تو عوام سے ظلم روا رکھنے والے کسی طاقتور فریق کا ہاتھ روکنے کے لئے کوئی بھی ادارہ نہیں۔کوئی بھی منصف نہیں۔دراصل ہمارا نظام اتنا مضبوط ہے کہ ہر ادارے اور حکمران کو نگل چکا ہے!